ہم سب کا پاکستان
بکس پوائنٹ
بلال راجپوت
ایڈمن
0300 5373305

خیمئہ جاں

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اَب تو کُھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

خیمہ جاں

محسن نقوی

انتساب

سیّد عباس نقوی

کے نام

☆

قتل چُھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اَب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

اپنی پوشاک کے چھن جانے پہ افسوس نہ کر
سَر سلامت نہیں رہتے یہاں دستار کے بیچ

سُرخیاں اَمن کی تلقین میں مصروف رہیں
حرف بارُود اُگلتے رہے اخبار کے بیچ

کاش اِس خواب کو تعبیر کی مُہلت نہ ملے
شعلے اُگتے نظر آئے مجھے گلزار کے بیچ

ڈھلتے سُورج کی تمازت نے بکھر کر دیکھا
سَر کشیدہ مِرا سایا صَفِ اشجار کے بیچ

رِزق، ملبُوس، مکاں، سانس، مرض، قرض، دَوا
مُنقسِم ہوگیا اِنساں انہی افکار کے بیچ

دیکھے جاتے نہ تھے آنسو مِرے جس سے محسنؔ
آج ہنستے ہوئے دیکھا اُسے اغیار کے بیچ

ابھی لکّھیں تو کیا لکّھیں

ہر اک جانب اُداسی ہے
ابھی سوچیں تو کیا سو چیں؟
ہر اک سُو ہو کا عالم ہے
ابھی بولیں تو کیا بولیں؟
ہر اک انسان پتھر ہے
ابھی دھڑکیں تو کیا دھڑکیں؟
فضا پر نیند طاری ہے
ابھی جاگیں تو کیا جاگیں؟
ہر اِک مقتل کی شہ رَگ میں
لہُو کی لہر جاری ہے
ابھی دیکھیں تو کیا دیکھیں؟

ہر اِک انسان کا سایہ
ابھی مٹّی پہ بھاری ہے
ابھی لکھیں تو کیا لکھیں؟

☆

معرکہ اَب کے ہُوا بھی تو پھر اَیسا ہو گا
تیرے دریا پہ مِری پیاس کا پہرہ ہوگا

اُس کی آنکھیں تیرے چہرے پہ بہت بولتی ہیں
اُس نے پلکوں سے ترا جسم تراشا ہو گا

کتنے جگنُو اِسی خواہش میں مِرے ساتھ چلے
کوئی رَستہ ترے گھر کو بھی تو جاتا ہوگا

میں بھی اپنے کو بُھلائے ہوئے پھرتا ہوں بہت
آئینہ اُس نے بھی کچھ روز نہ دیکھا ہوگا!

رات جَل تَھل مِری آنکھوں میں اُتر آیا تھا
صورت اَبر کوئی ٹوٹ کے برسا ہوگا

یا مسیحائی اُسے بھول گئی ہے محسنؔ
یا پھر ایسا ہے مِرا زخم ہی گہرا ہوگا

☆

تجھے رُسوائی کا ڈر ہے نہ آیا کر
بچھڑ جانا ہی بہتر ہے نہ آیا کر

کِسی شاداب قریے میں بسا خُود کو
یہ دِل اُجڑا ہوا گھر ہے نہ آیا کر

مِرا دُکھ تجھ کو بھی اِک دِن ڈبودے گا
بہت گہرا سمندر ہے نہ آیا کر

گزر جا آئینے جیسا بدن لے کر
یہاں ہر آنکھ پتّھر ہے نہ آیا کر

گزرتے اَبر کی بھیگی ہوئی بخشش!
زمیں صدیوں سے بنجر ہے نہ آیا کر

پلٹ جا اجنبی، وہموں کے جنگل سے
یہ پُر اسرار منظر ہے نہ آیا کر

بکھرتی ریت کی ڈھانپے گی سر تیرا؟
وہ خود بوسیدہ چادر ہے نہ آیا کر

خوشی کی رُت میں مُحسن کو منا لینا
یہ فصل دیدۂ تر ہے - - نہ آیا کر

☆

میں تنہائی کا حاصل ہو گیا ہوں
بھری دُنیا میں شامل ہوگیا ہوں

اُسے آساں سمجھ لینے کی دُھن میں
میں اپنے آپ مشکل ہوگیا ہوں

بہت پتّھر بنا ہُوں ٹوٹنے کو
مگر اِک چوٹ سے "دل" ہوگیا ہُوں

مِری فطرت رہی ہے قتل ہونا
مگر مشہور "قاتل" ہوگیا ہُوں

غبارِ ہمسفر کے ساتھ رہ کر
پسِ محرابِ منزل ہوگیا ہُوں

مجھے دریا سے مِلنے کی ہوس تھی
بکھر کر ریگِ ساحل ہوگیا ہُوں

کہا کل چاند نے بنجر زمیں سے
میں آبادی کے قابل ہوگیا ہُوں

ضروری تھا مِرا محسنؔ سے مِلنا !!
میں خُود رَستے میں حائل ہوگیا ہُوں

☆

مِرے لفظوں کے سب جادُو تمہارے
صَدا کے ٹوٹتے گھنگھرو تمہارے

سُنا ہے دُھوپ جب ڈَستی تھی مجھ کو
بہت کُھلتے رہے گیسُو تمہارے

کماں دَر دست آجاؤ کِسی دِن!
مِرے صحرا کے سب آنسو تمہارے

تمہارے لَب پہ میرے قہقہے ہیں!
مِری آنکھوں میں سب آنسو تمہارے

مِری راتوں کے دامن میں بھرے ہیں
سِتاروں کی طرح جگنُو تمہارے

ہَوا سے بولنا لیکن سنبھل کر
چُرالے گی سُخن خوشبو تمہارے

مِرے مشکیزے کا تسمہ نہ کھولو
مِری آنکھیں مِرے بازُو تمہارے

بہت روکا تھا محسؔن سے نہ مِلنا
بہت چرچے ہین اَب ہر سُو تمہارے

☆

کبھی تُو مُحیطِ حواس تھا، سو نہیں رہا
میں ترے بغیر اُداس تھا، سو نہیں رہا

مِری وسعتوں کی ہوس کا خانہ خراب ہو
مِرا گاؤں شہر کے پاس تھا، سو نہیں رہا

تری دسترس میں تھیں بخششیں ، سو نہیں رہیں
مِرے لَب پہ حرفِ سپاس تھا، سو نہیں رہا

میرا عکس مجھ سے اُلجھ پڑا تو گِرہ کھلی،
کبھی میں بھی چہرہ شناس تھا، سو نہیں رہا

مرے بعد نوحہ بہ لَب ہوائیں کہا کریں
وہ جو اِک دریدہ لباس تھا، سو نہیں رہا

میں شکستہ دِل ہوں صفِ عدُو کی شکست پر
وہ جو لُطفِ خوف و ہراس تھا، سو نہیں رہا

☆

ذرا سی خاک سَدا بال و پَر میں رکھتے ہیں
ہم اپنے ساتھ زمیں کو سفر رکھتے ہیں

اُداسیاں بھی بَساتے ہیں اپنے سینے میں
نشانِ وُسعتِ صحرا بھی گھر میں رکھتے ہیں

بہت اُداس نہ ہو شامِ بے چراغ کہ ہم!
سحر کی روشنیاں چشمِ تر میں رکھتے ہیں

ہمارے سچ کی گواہی پہ اُنگلیاں نہ اُٹھا
یہی تو عیب ہم اپنے ہُنر میں رکھتے ہیں،

☆

عجز اپنے لفظوں کے خزانے کھولتا کب تھا
وہ آنکھیں سوچتی کب تھیں وہ چہرہ بولتا کب تھا؟

اُسے خُود کو گنوانے کا ہُنر بخشا ہے کِس رُت نے؟
وہ اپنا عکس گہرے پانیوں میں گھولتا کب تھا!

میں ڈرتا ہُوں یہ فصلِ ہجر کی سازش نہ ہو ورنہ
وہ اپنے قیمتی آنسو ہَوا میں رولتا کب تھا؟

یقیناً پھُوٹتی ہیں مِستیاں اُس کی اَداؤں سے
وگر نہ رُو برو اُس کے زمانہ ڈولتا کب تھا؟

غلط فہمی کے سائے درمیاں بجھتے گئے محسنؔ
میں اُس کے سامنے ہر بات پہلے تولتا کب تھا؟

☆

رونقِ رہگزر ہے تنہائی
پھر مِری ہمسفر ہے تنہائی

چاند کیوں ماند پڑتا جاتا ہے
تُو ہے یا بام پر ہے تنہائی

کیا مسیحاؤں کو تلاش کریں
زخم کی چارہ گر ہے تنہائی

شامِ غم اوڑھ کر ہی سو جاؤ
شامِ غم سے اُدھر ہے تنہائی

قِسمتِ رنج و غم ہے سنّاٹا
حاصلِ چشمِ تر ہے تنہائی

کرچیوں سے بھی عکس چُنتی ہے
سنگدل کِس قدر ہے تنہائی

جن کے مہماں ہوں شب کے اندیشے
ایسے لوگوں کا گھر ہے تنہائی

لمحہ بھر کو ہے ساتھ سانسو کا
اور پھر عُمر بھر ہے تنہائی!

جانے کس کی تلاش میں محسنؔ
آج کل دَربدر ہے تنہائی

☆

لبوں پہ حرف رَجَز ہے زِرَہ اُتار کے بھی
میں جشنِ فتح مَناتا ہُوں جنگ ہار کے بھی

اُسے لُبھا نہ سکا میرے بعد کا موسم!
بہت اُداس لگا خال و خد سنوار کے بھی

اَب ایک پَل کا تغافُل بھی سہہ نہیں سکتے
ہم اہلِ دل کبھی عادی تھے اِنتظار کے بھی

وہ لمحہ بھر کی کہانی کہ عُمر بھر میں کہی!
ابھی تو خُود سے تقاضے تھے اختصار کے بھی

زمین اوڑھ لی ہم نے پہنچ کے منزل پر
کہ ہم پہ قرض تھے کچھ گردِ رہگزار کے بھی

مجھے نہ سُن مِرے بے شکل اب دکھائی تو دے
میں تھک گیا ہُوں فضا میں تجھے پکار کے بھی

مِری دُعا کو پلٹنا تھا پھر اِدھر مُحسؔن
بہت اُجاڑ تھے منظر اُفق سے پار کے بھی

☆

مثالِ مَوجِ ہوا دَربدر وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ مِلا، ہمسفر وہ ایسا تھا

خُود اپنے سرلیا الزامِ بے وفائی تک!
کہا نہ کچھ بھی اُسے، معتبر وہ ایسا تھا

اُسے بسائے ہوئے تھی بَلا کی ویرانی!
دیارِ ہجر میں آباد گھر وہ اَیسا تھا

کہ جیسے چاند مُسافت سے ماند پڑ جائے
پسِ غلافِ غبارِ سَفر وہ ایسا تھا

نہ دوشِ اہلِ حَکَم پر نہ زیرِ تاجِ شہی!
سِناں کی نوک پہ جچتا تھا، سَر وہ ایسا تھا

بس ایک خواب نے نیندیں نچوڑ لیں اپنی!
سَما گیا مِری نَس نَس میں، ڈر وہ ایسا تھا

لہُو لہُو مِری آنکھیں، ہیں تار تار قبا
کہ حادثہ ہی مری جاں مگر وہ اَیسا تھا

زمیں پہ اُس کے کٹے بازوؤں کا سایہ ہے!
عدُو کے سامنے سینہ سِپر وہ ایسا تھا

اُس کا کام تھا زخموں کی پَرورش محسنؔ
اُسی کے نام دُعا، چارہ گر وہ ایسا تھا!

☆

نہ شورشِ غمِ دَوراں نہ خُود سری اپنی
بہت دِنوں سے ہے گُم صُم سخنوری اپنی

سُپردِ آئینہ کرتا نہ تھا وہ عکس اپنا
اُسے عزیز تھی کس درجہ دِلبری اپنی

یہ دوپہر تو ڈھلے، تجھ کو راکھ ہونا ہے
جتا نہ خاک نشینوں پہ برتری اپنی!

نہ شوقِ خانہ بدوشی نہ وسعتوں کی ہَوس
بَسا گئی ہمیں صحرا میں بے گھری اپنی

اُجاڑ دِل یہی چُپ چُپ سا کوہِ قاف اپنا
یہیں کہیں کبھی رہتی تھی اِک پَری اپنی!

اُسی کا نقش ہے اب تک متاعِ جاں محسنؔ
ہُوئی تھی جس سے مُلاقات سَر سَری اپنی

☆

اَب اور دَربدر کا عذاب کیا سہنا؟
یہ شہرِ کم نظراں ہے اَب اِس میں کیا رہنا؟

یہاں تو چُپ ہی بھلی ہے کہ اُنگلیاں نہ اُٹھیں
کسی کے حق میں، کسی کے خلاف کیا کہنا؟

کِنارِ چشم سے اُس سَمت، کُنجِ دل سے اِدھر
لہُو کی بُوند کبھی اپنی مَوج میں بہنا!!

کبھی بہت تھے مِرے ساتھ جاگنے والے!
کبھی یہ چاند بھی لگتا تھا رات کا " گہنا "

☆

ہوس کی آگ کا حال نہ پُوچھو!
کہ سُورج بھی ستارے پھانکتا ہے

ہوا میں بانٹ دیتا ہے وہ خُوشبو
گلاب اپنے بدن پہ ٹانکتا ہے

مرے خوابوں سے اوجھل ہے مگر وہ
مری نیندوں سے مجھ کو جھانکتا ہے

مسافت کی تھکن پُوچھو اُسی سے
وہ چرواہا جو ریوڑ ہانکتا ہے

مری پلکوں کے آنسو کون محسنؔ
رِدائے شامِ غم پر ٹانکتا ہے!

☆

تو مِرے ہمراہ چلتا اور دُنا دیکھتی
رات کو سُورج نہ ڈھلتا اور دُنیا دیکھتی

میری سانسوں کی تپش سے تیرا مَر مَر سا بدن
برف کی صورت پگھلتا اور دُنیا دیکھتی

میری آنکھیں مسکراتیں شامِ شہرِ ہجر پر
وقت خود سے ہاتھ مَلتا اور دُنیا دیکھتی

شہر بھر کی روشنی بُجھتی مِری دہلیز پر!
بَن سنور کر تو نکلتا اور دُنیا دیکھتی

کاش اِک باغی سِتارے کی طرح آنسو مِرا
تیری پلکوں پر مچلتا اور دُنیا دیکھتی!

پیاس پی لیتی سمندر کی رگوں کے ذائقے
سیپیاں، صحرا اُگلتا اور دُنیا دیکھتی

یا سبھی آنگن اندھیرے پھانکتے محسؔن
یا۔ دِیا ہر گھر میں جلتا اور دُنیا دیکھتی!!

حیثیت!

یہ خوبرو لوگ جن کی آنکھیں
تُمھارے اُجلے بدن پہ چسپاں
تُمہارے نقشِ قدم کی خوشبو میں
ثبت ایسے
بھنور میں جیسے حِنا کے پتّے

میں سوچتا ہوں
کہ اتنی آنکھوں کے دائروں میں
مری اکیلی اُداس آنکھوں کی حیثیت کیا؟
مِری وفا کا مقام کیا ہے؟
مِرے محبت کا نام کیا ہے؟؟

۲۲ستمبر ۱۹۹۵ء لاہور

مجھے بُجھاؤ تو ______!

مجھے بجھاؤ تو سوچ لینا!
تمہارے گھر میں اُداسیاں جب
سیاہ راتوں کو تن پہ اوڑھے
کٹھن اندھیرے چھڑکنے آئیں
تو کیا کروگی؟

۲۲ستمبر ۱۹۹۵ء

☆

خود اپنے سائے پہ بارِ گراں تھے ہم جیسے
کھلا کہ شہر میں بَس رائیگاں تھے ہم جیسے

ہمیں سے شب کے اندھیرے لپٹ کے سوئے تھے
کِھلی جو دھوپ تو خود بے اَماں تھے ہم جیسے

زمیں کے تَن پہ ہمارے لہُو کی چادر تھی
خود اپنی ذات میں اِک آسماں تھے ہم جیسے

ہمارے پاؤں تلے موج مارتا تھا فُرات
یہ اور بات کہ تشنہ وَہاں تھے ہم جیسے

یہ تاج و تخت رہے اپنی ٹھوکروں میں سَدا
کہ سر فرازِ صلیب و سِناں تھے ہم جیسے

تمہارے لَمس کی حیرت سے آئینہ ٹھہرے
وگرنہ دِید کے قابل کہاں تھے ہم جیسے

☆

بُول جانا بھی اُسے یاد کرتے رہنا
اَچّھا لگتا ہے اِسی دُھن میں بِکھرتے رہنا

ہجر والوں سے بڑی دیر سے سیکھا ہم نے
زندہ رہنے کے لیے جاں سے گزرتے رہنا

کیا کہوں کیوں مِرے نیندوں میں خلل ڈالتا ہے
چاند کے عکس کا پانی میں اُترتے رہنا!

میں اگر ٹوٹ بھی جاؤں تو پھر آئینہ ہُوں
تم مرے بعد بہر طور سنورتے رہنا،

گھر میں رہنا تو بکھرے ہوئے سائے چُن کر
زخم دیور و دَر و بام کے بھرتے رہنا

شام کو ڈوبتے سورج کی ہے عادت محسؔن
صبح ہوتے ہی مرے ساتھ اُبھرتے رہنا

☆

زندگی کیا ہے، کبھی دِل مجھے سمجھائے تو!
موت اچھی ہے اگر وقت پہ آجائے تو!!

مجھ کو ضد ہے کہ جو ملنا ہے، فلک سے اُترے
اُس کی خواہش ہے کہ دامن کوئی پھیلائے تو

کتنی صدیوں کی رفاقت میں اُسے پہناؤں!
شرط یہ ہے مسافر کبھی لَوٹ آئے تو!

خواب در خواب نئی نیند نہاؤں -- لیکن
میرا ماضی میرا بچپن کبھی دُہرائے تو

میری آنکھوں میں یہ رِم جھم یہ دَھنک دھوپ فضا
ایسے موسم میں وہ آنچل کہیں لہرائے تو

دُھوپ محسؔن ہے غنیمت مجھے اب بھی لیکن
میری تنہائی کو سایہ مرا بہلائے تو

☆

جب آنکھ میں کچھ خاک سی اُڑتی نظر آئی
سمجھے سبھی خُوش فہم کہ حَدّ سفر آئی

اِک عُمر تو جاگے تھے کہ چَھٹ جائے اندھیرا
پَل بھر کو لگی آنکھ تو مِلنے سَحر آئی!

میں نے تو وَرق پر ابھی لکھنا تھے کئی نام
دُھندلی سی یہ تصویر کہاں سے اُبھر آئی؟

دِل میں ہے عجب ساعتِ نَو روز کا عالَم
بُھولی ہُوئی اِک یاد سرِ شام گھر آئی؟

شاید اِسے کہتے ہیں تمنّا کی تلافی!
ہونٹوں پہ تبسّم تھا کہ پھر آنکھ بھر آئی؟

پلکوں پہ نہ آنسو نہ ستارے نہ چراغاں!
تُو آج شبِ ہجر، مری جاں کِدھر آئی؟

اُس نے بھی کیا راہ بدلنے کا ارادہ!
صد شُکر محبت بھی کسی موڑ پر آئی

اِک راحتِ اعزاز سَجی تیری جَبیں پر
اِک تُہمتِ پیہم تھی کہ محسؔن کے سر آئی

☆

رہِ وفا کے لیے ساز و رخت جمع کروں
کہاں تلک جگرِ لخت لخت جمع کروں؟

کمک مِلی ہے تو اُدھڑی زمیں پہ سوچتا ہُوں
کہ پھر سے مُہر و علَم، تاج و تخت جمع کروں!

میں زخم زخم سہی پھر بھی ضِد غنیم کی ہے!
کہ دست بستہ سبھی سنگِ سخت جمع کروں

لگاؤں پھر سے "پنیری" جَلی زمینوں میں
میں آندھیوں کے لیے پھر درخت جمع کروں

زرِ دُعا نہ اُڑا لے ہَوا تو میں بھی کبھی
بجھے بجھے ہوئے ہاتھوں پہ بخت جمع کروں

جلوسِ اہلِ "بغاوت" کی دُھن ہے گر محسنؔ
تو ہاتھ کھر درے، چہرے کرخت جمع کروں

وُہی سب کچھ سہی لیکن ____!

وُہی آنکھیں ہیں
جِن میں زندگی نے خواب لکّھے تھے!
وُہی پلکیں ہیں جن پر
میرے ہونٹوں کی شُعاعوں نے
چُنی تھی کہکشاں اکثر!
وُہی لَب، جن سے لفظوں کے ستارے ٹوٹ کر
میری غزل میں سانس لیتے تھے،
وُہی چہرہ ____ جو حرف وصَوت کے ہر دائرے میں
مرکزی نقطہ'
وُہی گردن' کہ جس میں عقدِ مرجاں، آئنہ بندی کا خمیازہ'
وُہی بازو، جنہیں میرے بدن کا لمس اکثر
بے کراں چاہت کی رُت سے
آشنا کرتا
وُہی سب کچھ ____ مگر اِک فرق واضح ہے
کہ اَب اُس کی طبعیت میں سمندر کا تموّج ہے
ہی سَب کچھ ____ مگر اَب اِس طرح لگتا ہے جیسے
ہم میں نادیدہ فصلیں کھچ گئیں خُود سے
کبھی میری محبت سے اَٹے مہتاب کی راتیں
گھنی راتیں!
اُسے اَچھی نہیں لگتیں
کبھی بے رَبط و بے خواہش ملاقاتیں

اُسے اَچھی نہیں لگتیں

وُہی سب کچھ سہی لیکن ____ اَب ایسا ہے
مِیر باتیں ____ اُسے اچھی نہیں لگتیں،

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء

☆

محبتوں میں ہَوس کے اَسیر ہم بھی نہیں
غلط نہ جان کہ اتنے حقیر ہم بھی نہیں

نہیں ہو تم بھی قیامت کی تُندوتیز ہَوا!
کسی کے نقشِ قدم کی لکیر ہم بھی نہیں،

ہماری ڈُوبتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ
سخی ہو ہیں مگر اِتنے امیر ہم بھی نہیں

کَرم کی بھیک نہ دے، اپنا تخت بخت سنبھال
ضرورتوں کا خُدا تُو، فقیر ہم بھی نہیں

شبِ سیاہ کے "مہمان دار" ٹھرے ہیں
وگر نہ تیرگیوں کے سفیر ہم بھی نہیں،

ہمیں بُجھا دے، ہماری اَنا کو قتل نہ کر
کہ بے ضَرر ہی سہی بے ضمیر ہم بھی نہیں

☆

جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا

میں نے دیکھا تھا اُن دِنوں میں اُسے
جب وہ کھلتے گُلاب جیسا تھا
اُس کی پلکوں سے نیند چَھنتی تھی
اُس کا لہجہ شراب جیسا تھا
اُس کی زُلفوں سے بھیگتی تھی گھٹا
اُس کا رُخ ماہتاب جیسا تھا
لوگ پڑھتے تھے خال و خَد اُس کے
وہ اَدب کی کتابِ جیسا تھا
بولتا تھا زبان خُوشبو کی - - !
لوگ سنتے تھے دھڑکنوں میں اُسے
میں نے دیکھا تھا اُن دِنوں میں اُسے
ساری آنکھیں تھیں آئنے اُس کے
سارے چہرے میں انتخاب تھا وہ!
سب سے گُھل مل کے اجنبی رہنا
ایک دریا نُما سَراب تھا وہ!
خواب یہ ہے کہ وہ "حقیقت تھا"
یہ حقیقت ہے کوئی خواب تھا وہ
دل کی دھرتی پہ آسماں کی طرح
صُورت سایہ و سحاب تھا وہ

اپنی نیندیں اُسی کی نذر ہُوئیں
میں نے پایا تھا رتجگوں میں اُسے

میں نے دیکھا تھا اُن دِنوں میں اُسے
جب وہ ہنس ہنس کے بات کرتا تھا
دل کے خیمے میں رات کرتا تھا

رنگ پڑھتے تھے آنچلوں میں اُسے
میں نے دیکھا اُن دِنوں میں اُسے

یہ مگر دیر کی کہانی ہے
یہ مگر دُور کا فسانہ ہے
اُس کے میرے ملاپ میں حائل
اَب تو صدیوں بھرا زمانہ ہے
اب تو یوں ہے حال اپنا بھی
دشتِ ہجراں کی شام جیسا ہے

کیا خبر اِن دنوں وہ کیسا ہے؟
میں نے دیکھا تھا اُن دنوں میں اُسے

۱۷اکتوبر۱۹۹۵ء
۱۲بجکر۴۵منٹ
P.Cلاہور

☆

پتّوں کی طرح خود سے بکھرتے ہوئے کچھ لوگ
آپس میں بھی ملتے ہیں تو ڈرتے ہوئے کچھ لوگ

یہ دِل بھی عجب آئینہ خانہ ہے کہ اِس میں
آباد ہیں ہر لمحہ سنورتے ہوئے کچھ لوگ

اُبھرے جو کوئی چاپ تو جی اُٹھتے ہیں پھر سے
ہر سانس میں دَم توڑتے، مرتے ہوئے کچھ لوگ

صحراؤں کی وُسعت پہ عجب طنز ہیں محسنؔ
چڑھتے ہوئے دریا میں اُترتے ہُوئے کچھ لوگ

یہ کتنا مختصر سچ ہے!

وہ کہتا تھا ___!
بدن کاغذ کی ناؤ ہے
اِسے گیلا نہ ہونے دے!

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵
۱۰-۱ دوپہر

بعض اوقات........!

بعض اوقات شب کے پچھلے پہَر
اک اکیلے اُجاڑ جنگل میں
جب اندھیرے کے واہموں کا غبار
آنکھ پر ثبت کر دے خوف کی مُہر
ایسی گُم صُم فضا کے سائے مین
ہر بھٹکتے ہوئے مسافر کو
جلتا بُجھتا ہُوا بَس اِک جُگنُو
ایک "سُورج" دکھائی دیتا ہے

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء
سہ پہر ۱/۲ ۴ بجے

ہَوا ____! کیوں بھول جاتی ہے؟

ہَوا کیوں بھول جاتی ہے؟
کہ اپنے رتجگے تیرا اثاثہ
ہماری جاگتی راتوں کی ساری کرچیاں
آنکھوں میں چُبھتی ہیں
تو کیا کچھ یاد آتا ہے!!
سفر' آوارگی' ہجر و وصالِ دلفگاراں
محفلِ لالہ رُخاں، عکسِ ہجومِ گلعذاراں

نکہتِ فصلِ بہاراں
ماتمِ یاراں!
ہَوا ــــ اَندھی ہوا ــــ!!
جب بھی تھکے ہارے پرندوں کی طرح
خود ٹوٹ کر بکھرے ہُوئے پتّے
زمیں کی خاک سے چُنتی ہے
بھٹکے رہرووں کے نقشِ پا
رَستوں کی پتھریلی ہتھیلی سے اُٹھاتی ہے
کسی اُجڑے کھنڈر کی خامشی
جب سَنسناتی ہے!
ہَوا، کیوں بھول جاتی ہے؟
کہ ہم اپنے کواڑوں کو تری دستک سے پہلے
اپنے بوسیدہ گریبانوں کی صُورت کھول دیتے ہیں
تری خاطر ہم آنکھوں میں
ستارے گھول دیتے ہیں
(مگر کب تک؟)
مگر کب تک؟
تجھے تو خیر یوں بھی راس ہے
صدیوں کا سنّاٹا، سفر، آوارگی
موسم کی بے مہری!
مگر کب تک؟
ہماری دُکھتی آنکھوں میں یہ چُبھتے رتجگے کب تک؟
خود اپنے آپ سے ملنے میں حائل "فاصلے" کب تک؟
ہَوا، کیوں بھول جاتی ہے؟
کہ ہم تیرے سِوا اپنے بھی "کچھ لگتے" تو ہیں آخر!

ہوا، تجھ سے جو ممکن ہو
تو صدیوں کی تھکن اشکوں سے دھونے دے،
ہمیں کھل کر بھی رونے دے!
دلِ بے مہر کو چبھتے ہُوئے خوابوں کے
پس منظر میں کھونے دے!!
ہوا، پل بھر کو سونے دے!!

بدھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء
۹-۳۰ بجے رات

☆

بدن میں اُتریں تھکن کے سائے تو نیند آئے
یہ دِل کہانی کوئی سُنائے تو نیند آئے

بُجھی بُجھی رات کی ہتھیلی پہ مُسکرا کر!
چراغِ وعدہ کوئی جلائے تو نیند آئے

ہَوا کی خواہش پہ کون آنکھیں اُجاڑتا ہے؟
دِیے کی لَو خُود سے تھر تھرائے تو نیند آئے

تمام شب جاگتی خموشی نے اُس کو سوچا!
وہ زیرِ لَب گیت گنگنائے تو نیند آئے

بَس ایک آنسو بُہت ہے محسنؔ کے جاگنے کو
یہ اِک سِتارہ کوئی بجھائے تو نیند آئے

مجھے معلوم ہے سب کچھ

مجھے معلوم ہے سب کچھ!
کہ وہ حرفِ وفا سے اجنبی ہے!
وہ اپنی ذات سے ہٹ کر
بہت کم سوچتی ہے!
وہ جب بھی آئنہ دیکھے
تو بَس اپنے ہی خال و خد کے
تیور دیکھتی ہے ___!!
اُسے اپنے بدن کے زاویے، قوسیں، مثلث، مستطیلیں
بازوؤں کی دسترس میں رقص کرتی خواہشوں کی سب اُڑانیں
قیمتی لگتی ہیں سیم و زر کے پوشیدہ خزانوں سے!
زمینوں، آسمانوں میں رَواں روشن زمانوں سے!!
وہ لمحہ لمحہ اپنے ہی تراشیدہ کُروں میں
گھومتی ہے!
وہ بارش میں نہائی دُھوپ کے آنگن میں
کِھلتی، کَھلتی، ہنستی ہَری بیلوں کی شہ رگ سے
نچڑتی، ناچتی بوندوں کی پی کر
جُھومتی ہے!!
اُسے اپنے سِوا، دُنیا کی ہر صُورت، ہر اِک تصویر
بے ترتیب لگتی ہے،
مجھے معلوم ہے سب کچھ

کہ وہ رنگوں بھرے منظر، دھنک کے ذائقے
اُجلی فضا کی خُوشبوئیں، جھلمل شعاعیں
اپنی بینائی کے حلقوں میں مقیّد کر کے اپنی مسکراہٹ
کے دریچے کھولتی ہے
کہ وہ اقرار کے لمحوں میں کم کم بولتی ہے!!
مجھے معلوم ہے سب کچھ
مگر "معلوم" ہی سب کچھ نہیں ہے
کہ اِس "معلوم" کی سرحد کے اُس جانب
فِشارِ آگہی کا آسماں ہے
خود فراموشی، خموشی کی زمیں ہے
جہاں ظاہر کی آنکھوں سے ابھی "معدوم" ہے سب کچھ
مجھے معلوم ہے سب کچھ
مگر معلوم ہے سب کچھ نہیں ہے!!

جمعرات ۱۴، اکتوبر ۱۹۹۵ء
دوپہر ۲-۳۲

ہوا ضِدّی بہت ہے

ہوا ضِدّی بہت ہے!
شاخ پر اِک پُھول تک رہنے نہیں دیتی
روِش پر خاک اُڑاتی ہے
تو اُس کی دُھول تک رہنے نہیں دیتی

ہَوا کی ضِد پہ

شاخیں کب تلک خوشبو سنبھالیں گی؟
کہ پھولوں کی مہکتی پتیوں کی
نرم و نازُک سی رگیں آخر
ہَوا کے کھردرے ہاتھوں سے چِھل جائیں
تو موسم زرد پڑ جائے ___!!
ہَوا ضِد پر جو اَڑ جائے
تو پیروں کی جڑیں مٹّی کی تہہ میں
___ٹوٹ جاتی ہے
سنبھالو سانس کا ریشم
کہ آوارہ ہَوا کے تُند خو جھونکے سے چُھو جائیں
تو آپس میں جُڑی سانسیں بھی اکثر چھوٹ جاتی ہیں
سنبھالو اپنے سائے کو
کہ آپس میں بچھڑنے کی یہی رُت ہے
----ہَوا ضِدّی بہت ہے!!

اتوار ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء

دوپہر ۵۰-۱۲

ترے مِلنے کا اِک لمحہ

ترے ملنے کا اِک لمحہ!
بَس اِک لمحہ سہی ____ لیکن
بکھر جائے تو موسم ہے
وفا کا بے کراں موسم!
اَزل سے مہرباں موسم!!
یہ موسم آنکھ میں اُترے
تو رنگوں سے دہکتی روشنی کا
عکس کہلائے!
یہ موسم دِل میں ٹھہرے تو
سُنہری، سوچتی صدیوں کا
گہرا نقش بن جائے!!

ترے ملنے کا اِک لمحہ ____
مقدّر کی لکیروں میں
دھنک بھرنے کا موسم ہے!
یہ موسم،
خُوبصورت شاعری کرنے کا موسم ہے!!

اتوار ۱۵ اکتوبر
P.C لاہور

☆

سفر تنہا نہیں کرتے !
سنو، ایسا نہیں کرتے

جسے شفاف رکھنا ہو!
اُسے "میلا " نہیں کرتے

تری آنکھیں اِجازت دیں
تو ہم کیا کیا نہیں کرتے؟

بہت اُجڑے ہوئے گھر پر
بہت سوچا نہیں کرتے

سفر جس کا مقدّر ہو،
اُسے روکا نہیں کرتے!

جو مِل کر خود سے کھو جائے
اُسے رُسوا نہیں کرتے

چلو، تُم راز ہو اپنا - - !
تمھیں افشا نہیں کرتے

یہ اُونچے پیڑ کیسے ہیں؟
کہیں سایا نہیں کرتے!

جو دُھن ہو، کر گزرنے کی
تو پھر سوچا نہیں کرتے

کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں
کبھی رویا نہیں کرتے

تری آنکھوں کو پڑھتے ہیں
تجھے دیکھا نہیں کرتے

سحر سے پُوچھ لو محسؔن!!
کہ ہم سویا نہیں کرتے!

☆

دِیا خُود سے بُجھا دینا
ہَوا کو اور کیا دینا؟

سِتارے تو نچے والو!
فلک کو آسرا دینا - !!

کبھی اس طور سے ہنسنا
کہ دنیا کو رُلا دینا -!

کبھی اس رنگ سے رونا -!
کہ خود پر مُسکرا دینا

میں تیری دسترس چاہوں!
مجھے ایسی دُعا دینا!!

میں تیرا بَر ملا مجرم -!
مجھے کُھل کر سزا دینا!!

میں تیرا مُنفرد ساتھی!
مجھے ہٹ کر جزا دینا -!!

مِرا سَر سب سے اُونچا ہے
مجھے "مقتل" نیا دینا -!

مجھے اچھا لگے محسؔن
اُسے پا کر گنوا دینا

☆

رَگوں میں زہر بھر لینا
بدن آباد کر لینا!

سَدا بجھتے چراغوں سے
سُراغِ ہمسفر لینا -!

ہمارے "جشنِ ماتم " میں!
گھڑی بھر کو سنور لینا

گھٹن شہروں کی ڈس لے گی
کسی صحرا میں گھر لینا

اُسے مت بے وفا کہنا
یہ تہمت اپنے سَر لینا

بس اِک لمحے کا دُکھ دے کر
دُعائیں عُمر بھر لینا - !!

دُکانِ رنگ سے محسؔن
کسی "تتلی " کے پَر لینا

بہت حسّاس اِنسانوں کے ساتھی!

تمہاری انگلیوں کی نرم پوریں
جُھلستی سوچ کا تنہا اثاثہ
خزاں کے زرد موسم پر نہ جاؤ
تمہاری یاد کا جنگل ہرا ہے
یہی جنگل گھنے سایوں کی چاہت سے بھرا ہے
بہت حسّاس اِنسانوں کے ساتھی!
بہت جاگا کرو میری طرح سے
کہ تُم پر بھی کسی شب کی اُداسی
بے رَدا آشفتگی کی سَر سَراہٹ
اگر اَیسا نہیں تو_____اِس طرح ہے
کہ تم اپنے لہُو کی شوخ، لَو دیتی تمازت
جھلستی سوچ، اپنی انگلیوں کی نرم پوریں
مرے لمحوں کے سب چبھتے شکستہ آئنوں پر ثبت کردو،
مجھے اشکوں کے اُس جانب بھی اِک دن
تمہی کو کھوجنا ہے
تمہیں اپنی طرح سے سوچنا ہے!!
بہت حسّاس انسانوں کے ساتھی!

۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء

وہ میں نہیں ہوں

وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے
تو اپنے لہجے میں
کچی کلیوں کی نکہتیں
اَدھ کھلے گلابوں کا رَس
خُنک رُت میں شہد کی موج گھولتی ہے

وہ زیرِلب مسکرا رہی ہو
تو ایسے لگتا ہے
جیسے شام وسحر گلے مل کے اَن سُنی لے میں گنگنائیں
صبا کی زلفیں کُھلیں
ستاروں کے تر سانسوں میں جھنجھنائیں
وہ اَبروؤں کی کماں کے سائے میں
چاہتوں سے اَٹی ہُوئی دھوپ
راحتوں میں کھلی ہوئی چاندنی
کے موسم نکھارتی ہے
وہ دل میں خواہش کی لہر لیتی ضِدیں،
خیالوں کی کرچیاں تک اُتارتی ہے!
ہوا کی آوارگی کے ہمراہ اپنی زُلفیں سَنوارتی ہے!!

کبھی وہ اپنے بدن پہ اُجلی رُتوں کا ریشم پہن کے نکلے

تو کتنے رنگوں کے دائرے

سِلوٹوں کی صورت میں ٹوٹتے ہیں

وہ لَب ہلائے تو پھول جھڑتے ہیں

اُس کی باتیں؟

کہ جیسے رَجِ دیارِ یاقوت سے شعاعوں کے اَن گنت

تار پھوٹتے ہیں!!

وہ سر سے پاؤں تلک

دھنک، دُھوپ، چاندنی ہے!

دُھلے دُھلے موسموں کی بے ساختہ

غزل بخت شاعری ہے!!

(مرے ہُنر کے سبھی اثاثوں سے قیمتی ہے)

وہ مُجھ میں گُھل مل گئی ہے لیکن

ابھی تلک مجھ سے اجنبی ہے،

کسی اُدھوری گھڑی میں

جب جب وہ بے ارادہ محبتوں کے

چُھپے چُھپے بھید کھولتی ہے!

تو دل یہ کہتا ہے

جس کی خاطر وہ اپنی "سانسیں"

وفا کی سُولی پہ تولتی ہے

وہ آسماں زاد، کہکشاں بخت ___ (کچھ بھی کہہ لو ___!)

جو اُس کی چاہت کا "آسرا" ہے

وہ "میں" نہیں ہوں

کوئی تو ہے جو مِرے سوا ہے!

وہ شہر بھر کے تمام "چہروں" سے ہٹ کے

اِک "اور مہرباں" ہے
جو اُس کی خواہش کا "آسماں" ہے
(کسے خبر کون ہے، کہاں ہے؟)

مگر مجھے کیا؟
کہ میں زمیں ہُوں!
وہ جس کی چاہت میں اپنی سانسیں لُٹا رہی ہے
وہ "میں" نہیں ہُوں!
وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے!!

منگل ۲۴ اکتوبر
دوپہر ۴۰-۲ بجے
لاہور

☆

ہر گھڑی رائیگاں گُزرتی ہے
زندگی اَب کہاں گُزرتی ہے؟

درد کی شام _ _ دشتِ ہجراں سے
صُورت کارواں گزرتی ہے!!

شَب گراتی ہے بجلیاں دِل پر
صبح آتش بَجاں گزرتی ہے!

زخم پہلے مہکتے لگتے تھے _ _ !
اب ہَوا بے نشاں گزرتی ہے

تُو خفا ہے تو دِل سے یاد تری
کس لیے مہرباں گزرتی ہے؟

اپنی گلیوں سے اَمن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دُھواں، گزرتی ہے

مسکرایا نہ کر کہ محسنؔ پر
یہ "سخاوت" گراں گزرتی ہے!

☆

سُکھ کا موسم خیال و خواب ہُوا _ !
سانس لینا بھی اَب عذاب ہُوا _ !

آنکھوں آنکھوں پڑھا کرو جذبے
چہرہ چہرہ کُھلی کتاب ہُوا _ !

روشنی اُس کے عکس کی دیکھو
آئینہ شب کو آفتاب ہُوا

اِک فلک ناز کی محبت میں
میں ہَواؤں کا ہَمر کاب ہُوا

عدل پَرور، کبھی حِساب تو کر!
ظُلم کِس کِس پہ بے حساب ہُوا؟

کون مَوجوں میں گھولتا ہے لہُو
سُرخرو کِس لیے چناب ہُوا،

کِس کے سَر پر سِناں کو رشک آیا
کون مقتل مین کامیاب ہُوا؟

اَب کے ہجراں کی دُھوپ میں محسؔن
رنگ اُس کا بھی کچھ خراب ہُوا!

جاگتے سوتے!

نیم شب کا اُجاڑ سنّاٹا -!
خواب آلود، بے صَدا رستے
تیرگی سے اَٹی ہوئی گلیاں،
کھردرے، بے چراغ کواڑ
سہمی سہمی ہَوا کی دَستک سے
سانس لیتے ہیں، بے حواسی میں
پیڑ پر چند زرد رُو پتّے -!
ٹوٹتے ہیں -زمیں پہ گرتے ہیں
(جیسے بے شکل چاپ پر اکثر
کوئی بیمار دِل دھڑکتا ہے)
ایسی تنہائیوں میں بھی اب تک
میں ترے نام جاگتے سوتے!
خیریت کے خطوط لکھتا ہوں!!

اتوار ۲۹اکتوبر ۱۹۹۵ء
رات بارہ بجے، ہوٹل پی۔سی لاہور

بھکارن

اِک بھکارن!

شہر کے مصروف چوراہے کی اندھی بھیڑ میں

اپنے فاقوں سے اَنا کی خواہش کی ضِد پر

بیچنے آئی ہے

اپنی نوجوانی کا غُرور!

توڑنے آئی ہے بے صُورت اَنا کے آئینے

بے حنا ہاتھوں میں پھیلائے ہوئے

بس "چند لمحے" زندہ رہنے کا سوال!

"چند لمحے" جن کا ماضی ہے نہ حال--!!

آنکھ میں بجھتی ہُوئی اِک مَوجِ نُور،

تن پہ لپٹے چیتھڑوں کی سِلوٹوں میں

سانس لیتے واہمے!

دَم توڑتا احساس، لَو دیتا شعور!!

زندگی کے دو کنارے ___ چار سُو!

اِک طرف ہنگامۂ ہَوس--- اِک سَمت "ھُو"

کس قدر مہنگی ہیں "باسی روٹیاں"

کتنی سستی ہے "متاعِ آبرُو"

اے خُدائے "کاخ و کُو"

۱۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء

ایک بجے شب

ہوٹل پی۔ سی لاہور

سفر سے لَوٹ آیا ہوں

سفر سے لَوٹ آیا ہوں
مگر اَب کے
اگرچہ شہر میرا ہے
وُہی رستے وہی گلیاں، وہی مانوس چہرے ہیں
سبھی چہرے سبھی آنکھیں شناسا ہیں
سبھی ہونٹوں پہ اَب تک ایک جیسی مُسکراہٹ ہے
وہی شامیں　اُنہی شاموں میں صبحوں کی
وُہی مانوس آہٹ ہے
وہی کچّے مکاں جن کے مکیں میری محبت کا اثاثہ ہیں
وہی افلاس کی کُچلی ہُوئی سڑکیں

کہ جن میں بارشوں کے چند چھینٹے گر برس جائیں تو ہفتوں
دُھوپ کی حِدّت وہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں
صبح شام کرتی ہے!

اگرچہ شہر میا ہے
مگر میں اجنبی آنکھیں لیے
ہر سمت آوارہ فضا میں ڈھونڈتا ہوں
بے سبب اِک آشنا چہرہ
شناسا اَب، مرے ہمراہ شب بھر بولتی آنکھیں
وہ آنکھیں جن کی ساری گفتگو
اب کے سفر میں چھوڑ آیا ہوں،

وہ ساری گفتگو جس کے سبھی حرفوں کے شیشے

رہگزر میں توڑ آیا ہوں

وہ آنکھیں چھوڑ آیا ہوں

مگر اُن میں بھری نیندیں مری نَس نَس میں ہنستی ہیں

مجھے اپنی طرف واپس بُلاتی ہیں،

کہ "لوٹ آؤ ___

تمہارے بعد اس "بستی" کی رَونق

بے چراغاں ہے"

اگرچہ شہر میرا ہے ___

مگر اَب کے تو ___

جیسے میرے چہرے پر تمہاری بولتی آنکھوں کی حیرانی

مجھے رُکنے نہیں دے گی،

مجھے خود اپنی مُدّت کے شناسا، دلنشیں چہرے

اچانک چھوڑنا ہوں گے،

تمہارے ساتھ پیاں جوڑنے کی سرسری ساعت سے ملنے تک

خود اپنے آپ سے جاناں

روابط توڑنے ہوں گے!

اگرچہ شہر میرا ہے!!

۴ نومبر ۱۹۹۵ء

پانچ بجکر ۳۵ منٹ

☆

آدمی جلتا دیا ہے اور بس!
سانس آوارہ ہَوا ہے اور بس!!

موت بے آفاق صدیوں کا سَفر
زندگی زنجیرِ پا ہے اور بس!!

نارِ سائی، اس قدر برہم نہ ہو
لَب پہ اِک حرفِ دُعا ہے اور بَس !

اور -میں رُوٹھا ہوں اپنے آپ سے
اور -تُو مجھ سے خَفا ہے اور بس!!

یا نگاہوں میں ہے رنگوں کا ہجُوم
یا ترا بَندِ قَبا ہے، اور بَس!

اُس طرف طغیانیوں پر ہے چناب
اِس طرف کچّا گھڑا ہے اور بس!

دِل مثالِ دشت بے نقش و نگار
اُس میں تیرا نقشِ پا ہے اور بس!

شامِ غم میں تیرے ہاتھوں کا خیال!
شعلۂ رنگِ حنا ہے اور بَس!!

اُس کے میرے فاصلے محسنؔ نہ پُوچھ
رنگ سے خوشبو جُدا ہے اور بس !!

☆

ہے کِس کا عکس دِل کے قریں، چار سُو ہے کون؟
گردِ گُماں چھٹے تو کُھلے رُوبرُو ہے - کون؟

کس کے بدن کے دُھوپ نے لہریں اُجال دیں؟
اے عکسِ ماہتاب تہِ آب جُو ہے کون؟

کیا جانے سَنگ بار ہُوا کُوئے یار کی
پیوند کِس قبا میں لگے ،بے رفُو ہے کون؟

نوکِ سِناں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُز شہریار شہر میں اپنا عدُو ہے کون؟

اے مصلحت کی تیز ہَوا، جُز غریبِ شہر
اِس شہرِ ننگ و نام میں بے آبرو ہے کون؟

پَلکوں پہ کون چُنتا ہے رُسوائیوں کی دُھول
رُسوا ہمارے ساتھ یہاں کُو بکُو ہے کون؟

محسؔن اَب اپنا آپ بھلایا ہے اس طرح
مجھ سے خُود اپنے عکس نے پُوچھا کہ "تُو" ہے کون؟"

☆

کم سُخن لوگ جو سچ بولتے ہیں
خُود سے ہر گِرہ ستم کھولتے ہیں

آندھیاں خواب سے جاگ اُٹھی ہیں
کچھ پرندے کہیں پَر تولتے ہیں

جن کی باتوں میں مسیحائی ہو
خُون میں زہر وُہی گھولتے ہیں

اُس کی آنکھوں نے نشہ چھڑکا ہے
لوگ بے وجہ کہاں ڈولتے ہیں

جب وہ موضوعِ سُخن ہو محسؔن
ہم بہت لعل و گہر رولتے ہیں

☆

میں تنہا - - درپیش سفر تقدیر کا ہے
کیا جانے کس موڑ نگر تقدیر کا ہے؟

سارے پتّھر غار سے ہم سَر کا بیٹھے
اِن سے آگے اِک پَتھر تقدیر کا ہے!

ہے کتنا شفّاف لبادہ یوسف کا
دامن پر اِک داغ مگر تقدیر کا ہے

زرد رُتوں کے زہر بھرے سب پیڑوں میں
دُور سے ہَرا کچُور شجر تقدیر کا ہے!

اُن کی قسمت آپ لکیر خزانوں کی!
میرے ہاتھ پہ خالی گھر تقدیر کا ہے

اُڑتے اُڑتے ہم افلاک کو چُھو آئیں
لیکن راہ میں حائل پَر تقدیر کا ہے

رات کی لاش پہ محسؔن ماتم کرنے کو
صبح کا تارا " دیدۂ تر " تقدیر کا ہے

☆

ہر ایک لمحہ پہن کے صدیوں کی شال گزرا
لہُو کا موسم بھی آپ اپنی مثال گزرا

حکایتِ ضبطِ ہجر بُنتے کہ اَشکت چُنتے
گزر گیا، جس طرح بھی عہدِ وصال گزرا

جو شب بھی آئی وہ حشر کے دِن کو ساتھ لائی
وہ دن بھی گزرا وہ شامِ غم کی مثال گزرا

لہُو لہُو ساعتوں نے چھڑکے ہیں زخم اِتنے!
کہ جو بھی پَل تھا جراحتوں سے نڈھال گزرا

اُجاڑ بستی سے وقت کی سلطنت کا حاکم!
سَجا کے ہاتھوں پہ سُرخ سُورج کا تھال گزرا

میں تیرے ملنے کو معجزہ کہہ رہا تھا لیکن،
ترے بچھڑنے کا سانحہ بھی کمال گزرا!

غمِ جہاں نے بدل دیا ہے مزاج اپنا
گراں بہت اب کے دِل پہ تیرا خیال گزرا

نہیں کہ تجھ سے بچھڑ کے دُنیا اُجڑ گئی ہو
یہی کہ دِل بُجھ گیا ذرا سا مَلال گزرا

ہر اس، بارُود، مَوت، شبخوں کا خوف محسؔن
نہ پُوچھ کتنی اَذّیتوں میں یہ سال گزرا

دسمبر مجھے راس آتا نہیں

(۱۹۹۵ءکی آخری نظم)

کئی سال گزرے
کئی سال بیتے
شب وروز کی گردشوں کا تسلسل
دل وجاں میں سانسوں کی پَرتیں اُلٹتے ہوئے
زلزلوں کی طرح ہانپتا ہے!
چٹختے ہوئے خواب
آنکھوں کی نازک رَگیں چھیلتے ہیں
مگر میں ہر اک سال کی گود میں جاگتی صبح کو
بے کراں چاہتوں سے اَٹی زندگی کی دُعا دے کے
اَب تک وہی "جستجو" کا سَفر کر رہا ہُوں

سفر زندگی ہے
سفر آگہی ہے
سفر آبلہ پائی کی داستاں ہے
سفر عمر بھی کی سُلگتی ہوئی خواہشوں کا دھواں ہے!

کئی سال گزرے
کئی سال بیتے!
مسلسل سفر کے خم و پیچ میں
سانس لیتی ہوئی زندگی تھک گئی ہے
کہ جذبوں کی گیلی زمینوں میں
بوئے ہوئے روز و شب کی ہر اک فصل اب "پک" گئی ہے

گزرتا ہوا سال بھی آخری ہچکیاں لے رہا ہے
مرے پیش و پَس
خوف، دہشت، اَجل، آگ، بارود کی مَوج
آبادیاں نوچ کر اپنے جبڑوں میں جکڑی ہوئی زندگی کو
درندوں کی صُورت
نِگلنے کی مشقوں میں مصروف تر ہے
ہر اک راستہ، موت کی رہ گزر ہے

گزرتا ہوا سال جیسے بھی گزرا
مگر سال کے آخری دِن
نہایت کٹھن ہیں
ہر اک سَمت لاشوں کے اَنبار
زخمی جنازوں کی لمبی قطاریں
کہاں تک کوئی دیکھ پائے؟
ہواؤں میں بارُود کی باس
خود اَمن کی نوحہ خواں ہے
کوئی چارہ گر، عصرِ حاضر کا کوئی مسیحا کہاں ہے؟

نئے سال کی مُسکراتی ہوئی صبح ___ گر ہاتھ آئے

تو مِلنا!!

کہ جاتے ہوئے سال کی ساعتوں میں

یہ بجھتا ہُوا دل

دھڑکتا تو ہے

مسکراتا نہیں

دسمبر مجھے راس آتا نہیں ___

سوموار ۲۵ دسمبر ۱۹۹۵ء

☆

۱۹۹۶ کی پہلی غزل

کیا خزانے مِرے جاں، ہجر کی شب یاد آئے
تیرا چہرہ، تیری آنکھیں، تیرے لب یاد آئے

ایک تُو تھا جِسے غُربت میں پکارا دِل نے
ورنہ بچھڑے ہوئے احباب تو سب یاد آئے

ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا!
دُکھ بھی کیا کیا ہمیں یاروں کے سبب یاد آئے

پھول کِھلنے کا جو موسم مِرے دِل میں اُترا
تیرے بخشے ہوئے کچھ زخم عجب یاد آئے

اَب تو آنکھوں میں فقط دُھول ہے کچھ یادوں کی
ہم اُسے یاد بھی آئے ہیں تو کب یاد آئے!

بھول جانے میں وہ ظالم ہے بَھلا کا ماہر
یاد آنے پہ بھی آئے تو غضب یاد آئے

یہ خُنک رُت یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دِل کی خواہش ہے کہ محسؔن کوئی اَب یاد آئے،

وہ خواب اپنے

بچھڑتے لمحوں کی
بے صدا جلد باز رُت میں
جب اُس کے ہونٹوں کی نرم چھاؤں
مجھے جدائی کی دُھوپ دے کر
حواس کی انگلیوں سے
دامن چھڑا رہی تھی
تمام رَسموں تمام قَسموں کی جلتی شمعیں
بجھا رہی تھی

میں اُس کی آنکھوں میں

چھوڑ آیا تھا خواب اپنے

وہ خواب جن کی تمازتوں میں

"تمام سچ تھا"

وہ خواب تکمیلِ آرزو کی نشانیاں تھے

وہ خواب میری وفا کی اُجلی کہانیاں تھے

میں سوچتا ہوں

کہ اَب کبھی چاندنی میں بھیگی ہُوئی ہوائیں

جب اُس کی آنکھوں سے

نیند کا کچھ خمار، اُس کے بدن کی خوشبو سے چُور

کوئی پیام لائیں

تو میں بھی مانگوں حساب اپنے

میں اُس کی آنکھوں سے مُسکرا کر طلب کروں

پھر سے خواب اپنے

میں اُس کو بھیجوں عذاب اپنے!

۷ جنوری ۱۹۹۶ء

اگر بچھڑنا ٹھہر گیا ہے

اگر بچھڑنا ٹھہر گیا ہے
تو میرے خوابوں سمیت اپنی اُداس آنکھیں
بھلا کے جاؤ
کہ جب بھی مِلنا پڑے کسی سے
(کسی شناسا کہ اجنبی سے)
تو یُوں نہ ہو
تم چھپا نہ پاؤ
تمام ماضی!
تمام سچ کے لہُو میں تر
ناتمام وعدے،
کہ اجنبی دوستوں سے ملتے ہوئے
خود اپنی اُداس آنکھوں میں
بولتے سچ کو دفن کرنا
بہت ہی مشکل ہے
اپنے ماضی کے سچ پہ
"اظہارِ معذرت!"
اور معذرت!
اعترافِ جرم وسزا سے بھی
اک کڑا عمل ہے
جو تم سے شاید کبھی نہ ہوگا!!

۷جنوری ۱۹۹۶ء

اِن دِنوں

اِن دِنوں شہر بھر کے رستوں میں
ناچتی ہے بَلا کی ویرانی!
عکس دَر عکس ڈستی رہتی ہے
بے صدا آئینوں کو حیرانی
سارے چہروں کے رنگ پھیکے ہیں
ساری آنکھیں اُجاڑ لگتی ہیں
سارے دن آہٹوں کی گنتی میں
ساری راتیں پہاڑ لگتی ہیں
بجھتی جاتی ہیں یاد کی شمعیں
اپنی پلکوں سے آنسوؤں کے نگیں
ٹوٹتے ہیں تو دِل نہیں چُنتا
جیسے شاخوں سے زرد رُوپتّے
ٹوٹتے ہیں - -کوئی نہیں سُنتا
تو کہاں ہے ، کہاں نہیں ہے تو؟
بھول جا - - یاد کیوں نہیں آتا؟
ہم سے کیا پوچھنا -مزاجِ حیات؟
ہم تو بس اِک دریدہ دامن میں
بھر کے خاکسترِ دیارِ وفا - !
لے کے صدیوں کی باس پھرتے ہیں
اِن دِنوں شہر بھر کے رستوں میں
ہم اکیلے اُداس پھرتے ہیں!
اَب یہ سوچیں تو آنکھ بھر آئے،

اِن اکیلے اُجاڑ رستوں میں
تو بھی شاید کہیں نظر آئے!

۷ جنوری رات ۲ بجے

☆

زندگی بھر عذاب سہنے کو
دل مِلا ہے اُداس رہنے کو

ایک "چُپ" کے ہزارہا مفہوم
اور کیا رہ گیا ہے کہنے کو؟

چاند جس کی جبیں پہ جچتا ہو
وہ ترستی ہے ایک "گہنے" کو

آسماں سے اُتر پڑا سُورج
چلتے دریا کے ساتھ بہنے کو

گھر میں تم بھی رہا کرو محسنؔ
گھر بناتے ہیں لوگ رہنے کو